واقعۂ غرانیق اور بیسویں صدی کے مستشرقین کی تحریرات
ایک تحقیقی جائزہ

Orientalists and Satanic Verses: A Critique

☆ ڈاکٹر حافظ عبدالباسط خان

ABSTRACT

Orientalists in general have tried to smear the authentically excellent image of the Last Prophet (s.a.w.) and the Qur'an in an effort to cast doubt about the reliability of both the Prophet (s.a.w.) as the Final Messenger of Allah and the Qur'an as the revealed words of Allah. Among other issues they have touched and dwelt on one is what they allegedly refer to as Satanic Verses (praise of gharÉnÊq [deities]). Some Orientalists of 20th century like Karen Armstrong, Montgomery Watt, and Maxime Rodinson have paid special attention to this issue in their respective works. The very objective of their approach to this false story is to prove that the revelation of the Qur'an was not genuinely from Allah. They dishonestly ignored the very position of this incident as fabrication. Many renowned Muslim scholars like Al-Qurtabi, Al-Radi, Qadi Ayaz, and Ibn al-'Arab i proved the story related to Satanic Verses as totally baseless. This article analyses Orientalists' views on the so called Satanic Verses and concludes that Orientalists failed to maintain their objectivity in their description of the story.

استشراق کے بنیادی موضوع تین ہیں۔ ۱۔اسلام ۲۔پیغمبر اسلام ۳۔صحیفۂ اسلام

پیغمبر اسلام، ان عناصر ثلاثہ میں اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں کہ وہ ایک فردِ بشر ہیں جو علم بھی ہیں اور عمل بھی، جو خود حامل وحی بھی ہیں اور مبین وحی بھی، جو داعی اسلام بھی ہیں اور خود اول المسلمین

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب، لاہور

بھی۔ چنانچہ اگر خود نبی کی صداقت وامانت محل شکوک وشبہات بن جائے تو ظاہر ہے کہ پھران کا لایا ہوا دین اور ان پر نازل ہونے والی وحی خود بخود مرتبۂ توثیق سے گر جائے گی۔

پیغمبر اسلام کی شخصیت کی اسی اہمیت کے باعث ان کی حیات طیبہ ہمیشہ سے مستشرقین کا دلچسپ موضوع رہا ہے۔

علوم اسلامیہ کے بارے میں بالعموم اور حیات طیبہ کے بارے میں بالخصوص مستشرقین کی آراء وافکار ہمیشہ سے یکساں نہیں رہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ (معروف معنوں میں) استشراق کی ابتداء صلیبی جنگوں کے تناظر میں ہوئی تھی۔ اسلام اور عیسائیت کا باہمی تعارف اسی حرب وضرب کی صلیبی رزمگاہوں میں ہوا ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ ان جنگوں میں مسلمان ہی فاتح رہے۔ لہٰذا عہد وسطیٰ کا مغرب اسلام کے معاشی، معاشرتی اور ثقافتی اثرات کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھا۔ ایسی صورت میں وہی ہوا جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ بمطابق شیخ سعدی "اذا یئس الانسانُ طال لسانه" (جب انسان مغلوب ہو جاتا ہے تو زبان دراز ہو جاتا ہے) اسلام، مغرب کی طرف سے بے شمار تہمتوں، ملامتوں اور تنقیدات کا نشانہ بنا۔ خوف، دشمنی اور تعصب کی مثلث نے مغرب کے تصور اسلام میں رنگ بھرے اور طرز عمل کا تعین کیا۔

بقول فلپ ہٹی:

"Islamic beliefs were enemy's beliefs and, as such, suspect if not false."(۱)

"اسلامی عقائد دشمن کے عقائد تھے پس اگر غلط نہ بھی تھے تو مشکوک ضرور تھے"۔

پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس دور کے اسلام کے متعلق لکھنے والے اکثر عیسائی پادری تھے جو ایک طرف تعصب و دشمنی میں بے مثل تھے تو دوسری طرف اسلام کے بارے میں لاعلمی میں بے نظیر تھے، اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ بارہویں صدی عیسوی میں سیرت پر لکھی جانے والی اولین ومستند ترین کتاب کے مصنف گلبرٹ آف نوجنت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"and he frankly admitted that he had no written sources for his account of Mahomet(۲)

"اس کے پاس سند اور حوالوں کے لیے کوئی کتاب نہ تھی اور نہ اس نے اپنی تصنیف میں کسی اور کتاب سے مدد لی"۔

نیز اس نے اقرار کیا ہے کہ:

''اس کا تمام کا تمام مواد رائے عامہ یعنی سنی سنائی باتوں پر مشتمل تھا۔(۳)

نیز اس نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ

''احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے شخص کو برا ہی کہا جائے جس کی بد افعالیاں اس قدر بڑھی ہوئی ہوں کہ بیان نہ کی جا سکیں''۔(۴)

راجر بیکن جو ازمنہ وسطیٰ کا مشہور مصنف ہے اس نے اسلام سے نپٹنے کے لئے پوپ کی خدمت میں جو تجاویز پیش کیں، ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اسلام کے بارے میں علمی بے مائیگی کا کیا حال تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ عیسائیت کی تبلیغ ہی وہ واحد راستہ ہے جس کے ذریعے عالم اسلام میں نفوذ کیا جا سکتا ہے تاہم اس مقصد کیلئے ہمارے وسائل تین اعتبار سے کم ہیں۔

(i) ضروری زبانوں سے عدم واقفیت

(ii) بد اعتقادی کی کیفیتوں کا عدم مطالعہ اور عدم تعین

(iii) ازالے کیلئے دلائل پر عدم تفکر (۵)

اس نے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ کی تحریرات جو استشراق کی اولین تحریرات کہلائی جا سکتی ہیں، تعصب اور جہالت کا کیسا مرکب تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیات طیبہ کی تفصیلات کے متعلق فاش اور فحش غلطیاں بے تحاشا ہیں جو سترھویں صدی عیسوی تک استشراقی ادب کا حصہ رہیں۔ چونکہ سترھویں صدی عیسوی میں اسلام مغرب کیلئے سیاسی اعتبار سے خطرہ نہ رہ گیا تھا یہی وجہ ہے کہ اب اہل مغرب کے ذہن خوفِ تسلط سے آزاد ہو گئے تھے نیز بنیادی اسلامی مصادر کے تراجم کے باعث حقائق بھی سامنے آنے لگے تھے۔ چنانچہ اب خود اہل مغرب نے حیات طیبہ کے متعلق افسانوی اور من گھڑت قصوں کی تردید شروع کر دی تھی۔

سیرت طیبہ کے متعلق معلق تابوت کی کہانی مغرب میں بہت مشہور تھی۔ اسی طرح یہ کہانی بھی کہ نبی اکرم ﷺ نے (نعوذ باللہ) ایک سفید کبوتر پال رکھا تھا جو ان کے کاندھے پر بیٹھ کر کان سے دانہ نکال کر کھاتا تھا جس سے لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ فرشتہ بشکل کبوتر وحی پہنچا رہا ہے۔ اڈوڈ پوکاک، صدر شعبہ عربی، آکسفورڈ نے اپنے مطالعے کی بنیاد پر قارئین کو خبردار کیا کہ معلق تابوت کی کہانی پر مسلمان جی کھول کر ہنستے ہیں اور اسے عیسائی ذہن کی اپج قرار دیتے ہیں نیز یہ کہ سفید کبوتر کی کہانی بھی لچر ہے۔(۶)

پھر اٹھارھویں صدی عیسوی میں مشہور جرمن شاعر گوئٹے، پہلا مغربی فرد تھا جس نے یہ تسلیم کرنے سے قطعاً انکار کر دیا کہ محمد ﷺ (نعوذ باللہ) بہروپیے تھے۔ انیسویں صدی میں تو بے شمار ایسے مستشرق گذرے ہیں جو تعصب کی عینک اتار کر اسلام اور اس کے متعلقات کا مطالعہ کرتے تھے۔ تھامس کارلائل، باس ورتھ اسمتھ اور اسٹینلے لین پول قابل ذکر ہیں۔

تھامس کارلائل نے ۱۸۴۰ء میں اڈنبرا میں تاریخ کے ہیروز پر سلسلہ وار لیکچر دینے شروع کیے۔ اس میں اس نے (The Hero as Prophet) کے عنوان سے جو لیکچر دیا اس میں رسالت مآب ﷺ کو انبیاء کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب مغرب اپنے ہی کسی فرد سے یہ سننے پر مجبور ہوا کہ رسول اللہ پر خلوص شخص تھے۔

> "Ah, no! This deep hearted son of the wilderness, with his beaming black eyes and open social deep soul, had other thought in him than ambition. A silent great soul: He was one of those who cannot but be in earnest, whom nature herself had appointed to be sincere[۷]

''ارے نہیں، صحرا کے یہ گداز دل فرزند، اپنی مسکراتی سیاہ آنکھوں اور ہر ایک کے لیے گہری محبت رکھنے والی روح کے ساتھ، خودنمائی سے بہت ہی مختلف خیالات کے حامل تھے۔ ایک خاموش فطرت، عظیم نفس۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو سوائے لگاؤ کے کچھ اور برت ہی نہیں سکتے تھے اور جن کو خود فطرت نے بطور خاص خلوص کے لیے ہی مقرر کیا تھا۔

پھر اس نے یہ بھی واضح کیا کہ:

> "We shall err widely if we consider this man as a common voluptuary: intent mainly on base enjoyments, nay on enjoyment of any kind[۸].

''ہم بہت بڑی غلطی کریں گے اگر ہم ان صاحب کو ایک ایسا عام لذت پسند شخص گردانیں گے، جو بنیادی طور پر گھٹیا عیش کوشی پر مائل ہو (جب کہ وہ) کسی بھی قسم کی لطف اندوزی سے گریز کرتے تھے۔''

نیز کارلائل نے اپنے دور تک کے مغربی انداز تحریر کو شرمناک قرار دیا اور برملا کہا کہ نبی ﷺ کو (نعوذ

باللہ) ایک بہروپیا تصور کرنا یا آپ کے دین کو خرافات کا مجموعہ قرار دینا، بجائے خود مغرب کے لیے باعث ننگ ہے۔

اب سارے تاریخی تناظر اور زمانی تجزیئے کو سامنے رکھتے ہوئے بیسویں صدی میں علوم اسلامیہ اور خصوصاً سیرت طیبہ کے متعلق مستشرقین کے رویوں پر ایک نگاہ ڈالی جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ اب فضا بہت حد تک بدل چکی ہے۔

اب استشراقی ادب میں بے سروپا قصوں اور بے بنیاد کہانیوں کی جگہ مضبوط روایات اور ضعیف روایات ملتی ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان مضبوط روایات کو بھی ظنی تاریخ سازی کے ذریعے اور تجزیاتی مطالعہ کے ذریعے مذموم حاصلات کیلئے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ضعیف روایات کا تذکرہ اس انداز میں کیا جاتا ہے گویا وہ ثابت شدہ حقائق میں جو ہر تنقید و جرح سے پاک ہیں۔

اس اسلوب کو نہ صرف وہ استشراقی ماہرین استعمال کرتے ہیں جو تعصب و عناد میں مشہور ہیں بلکہ وہ مستشرقین، جنہیں اسلام اور علوم اسلامیہ کے بارے میں معتدل رویہ رکھنے والے لوگوں کو صف میں شمار کیا جاتا ہے، بھی اسی اسلوب کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔

غرانیق کا واقعہ اور اس کے بارے میں بیسویں صدی کے معتدل مستشرقین منٹگمری واٹ اور کیرن آرم سٹرانگ کی تحریرات اس مذکورہ بالا دعویٰ کیلئے شاہد عدل ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک موقع پر داعی اسلام صحن کعبہ میں نماز میں سورۃ والنجم کی تلاوت فرما رہے تھے جب آیات "اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی"(۹)

(کیا تم لات، عزیٰ اور مناۃ کو تیسرا خدا کے علاوہ معبود سمجھتے ہو) تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے:

تلک الغرانیق العلی   وانّ شفاعتھن لترتجیٰ

"یہ نہایت اعلیٰ دیویاں ہیں جن کی شفاعت مقبول ہے"۔ اس کو سن کر کفار قریش خوش ہو گئے پھر جب آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے سجدہ کیا تو مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ انہوں نے سمجھا کہ حضور ﷺ نے ان دیویوں کی الوہیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ آپ ﷺ کو جب اس غلط فہمی کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان دیویوں کی حقیقت گڑھی ہوئی مورتیوں کے سوا کچھ نہیں جنہیں قریش کے بڑوں نے

غلطی سے مقدس بنا رکھا ہے''(۱۰)

سب سے پہلے تو یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ یہ قصہ جمہور مفسرین ومحدثین کے نزدیک موضوع، من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔ ابن خزیمہ، بیہقی، ابن العربی، قاضی عیاض، رازی، قرطبی اور شوکانی جیسے متبحر علماء اس قصہ کا شد ومد سے انکار کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قصہ کے بارے میں وارد روایات کی تعداد تقریباً دس ہے اور یہ تمام روایات ضعیف یا منقطع ہونے کے باعث مردود ہیں۔(۱۱)

پھر اس پر مستزاد یہ کہ مذکورہ قصہ عصمت نبوت کے کلیدی عقیدہ پر کاری ضرب لگا رہا ہے لہذا اس کے مردود ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اس امر کی مزید تشریح مقالہ کے آخری حصہ میں آ رہی ہے۔ لیکن مستشرقین اس قصہ کو یوں بیان کرتے ہیں گویا یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے بلکہ وہ اس واقعہ کی بنیاد پر نبوت محمدی کے متعلق اوہام وشکوک کی ایک عمارت کھڑی کرتے ہیں۔

ان کے بیان کردہ نکات کی وضاحت سطور ذیل میں ذکر کی جا رہی ہے۔

مستشرقین کے نزدیک واقعہ کا محرک:

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا، مستشرقین کی یہ عادت ہے کہ وہ سیرت کے وقائع وحوادث کی ظنی تاریخ سازی کرتے ہیں، غرانیق کا واقعہ اس لحاظ سے ان کے اس من پسند سیرت نگاری کے اسلوب کیلئے مفید ہے کہ اس واقعہ کی متعدد منفی توجیہات کی جاسکتی ہیں اور فی الواقع مستشرقین کے ہاں اس کی کئی منفی توجیہات کی گئی ہیں۔

۱۔ کفر کی جانب مراجعت کی خواہش:

بعض مستشرقین کا خیال یہ ہے کہ جب نبی مکرم ﷺ کو اپنے ہی بھائی بندوں اور اپنے ہی ہم نشینوں سے، جن سے آپ کی الفت ومحبت تھی، توحید خالص کی طرف دعوت دینے کی وجہ سے، سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور ذہنی وجسمانی اذیتیں اٹھانا پڑیں تو پھر آپ کے نفس میں کفر کی جانب لوٹ جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ یہی غرانیق کا واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے ان لات ومنات کو بنات اللہ ٹھہرانا چاہا لیکن پھر جلد ہی اس خواہش پر قابو پالیا گیا۔

شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''ابتدائی اعتقادات کی جھلک اس طرح بھی نظر آتی ہے کہ عربوں کی طرح انہیں بھی جن و

شیطان پر عقیدہ تھا۔ مکہ اپنے حرم کے ساتھ ان کے نزدیک بھی مقدس تھا۔ جس کے تقدس اور رسوم کو انہوں نے اپنے مذہب میں باقی رکھا۔ پھر ایک مرتبہ کفر کی جانب لوٹ جانے کی خواہش نے زور کیا جس پر جلد ہی قابو پالیا''۔ (۱۲)

یہ توجیہ اس گمان پر قائم کی گئی ہے کہ قوم کی طرف سے شدید مزاحمت نبی مکرم ﷺ کے لیے اعصاب شکن تھی اور آپ اس کی تاب نہ لاتے ہوئے (نعوذ باللہ) کفر کی جانب مراجعت کی خواہش کر بیٹھے حالانکہ قرآن کریم، رب کریم کی طرف سے آپ کے دل کو پختہ کر دینے کی خبر دیتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (۱۳)

اسی طرح قرآن کریم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اولو العزم انبیاء کے اسوہ کی پیروی کرتے ہوئے مصائب وشدائد پر صبر کی تلقین کی ہے۔

فَاصْبِرْ كما صبر اولو العزم من الرسل (۱۴)

نیز یہ کہ ایسا نہیں تھا کہ آپ ﷺ کو اس شدید مزاحمت کا اندازہ نہ تھا بلکہ اعلان بعثت سے پہلے ہی ورقہ بن نوفل آپ کو آگاہ کر چکے تھے کہ آپ کی قوم آپ ﷺ کو اس دعوت توحید کے باعث اس شہر سے نکال دے گی۔ (۱۵)

۲۔ محمد ﷺ کے عقائد وافکار میں تدریجی ارتقاء:

گریونے باؤم کا خیال ہے کہ پہلے پہل تو آپ ﷺ نے ان بتوں کو بنات اللہ قرار دے دیا تھا پھر بعد میں آپ نے ان کے اور رب کریم کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیا اور رب کریم کو ہی معبود واحد قرار دیا۔

"Is is said that firsd he had recognized as the daughters of Allah, the three great godesses: Al-Lat, who was honoured in Taif, Al-Uzza who was worshipped in Nakhla near Mecca, and Manat whose sanctuary lay in Qudaid between Mecca and Medina. This stand he now revoked and made a sharp distinction between the faithful and those who associated Allah with other gods.(۱۶)

داعی اسلام کا روز اول سے ان مشرکین سے اختلاف ہی اس بات میں رہا ہے کہ یہ لات ومنات، رب کریم کے ہاں سفارشی نہیں ہیں۔ معبود واحد ہونے کی حیثیت سے تمام انواع عبادات رب کریم کے ساتھ ہی خاص ہونی چاہیں۔ یہ بات تو خود مستشرقین کو بھی معلوم ہے اور وہ اس کے معترف ہیں کہ مشرکین مکہ ان دیویوں کو''بنات اللہ'' سمجھتے تھے اور خالق کائنات وہ اللہ ہی کو قرار دیتے تھے خود قرآن کریم نے بھی ان کے اس عقیدے کی وضاحت کی ہے:

"وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ"(۱۷)

اے محمد ﷺ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کس نے پیدا کیے ہیں تو کہہ اٹھیں گے کہ اللہ نے۔

"مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى"(۱۸)

وہ مشرکین کہتے ہیں کہ ہم ان بتوں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ عقیدہ جس کی تردید کیلئے خاتم الانبیاء کو مبعوث کیا گیا وہی عقیدہ خاتم الانبیاء کی زبان سے بطور تعریف وتوصیف کے جاری ہو جائے خصوصاً جب کہ مستشرقین خود اس کے معترف ہیں کہ یہ اضافہ سورۃ والنجم کی تلاوت کے وقت ہوا ہے جب کہ سورۃ والنجم ترتیب نزولی کے اعتبار سے ۲۳ ویں یا ۲۸ ویں سورت ہے۔

نیز یہ کہ خود مجاہد نے ذکر کیا ہے کہ پہلی وحی میں جس میں سورۂ علق کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں، اس کے بعد سورۂ ''ن والقلم'' نازل ہوئی تھی۔(۱۹) اس سورۃ میں خدائے کریم نے فرمایا ہے:

"وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ"(۲۰)

یعنی یہ کفار تو چاہتے ہیں کہ اگر آپ بھی (اپنے عقیدے سے) ذرا ہٹ جائیں اور مدفعت اختیار کریں تو یہ کفار بھی اپنے عقیدے سے ہٹ جائیں اور آپ کسی قسم باز کمینہ کی بات مت تسلیم کیجئے۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں خدائے کریم نے لطیف پیرائے میں ہر قسم کی نرمی اور مدافعت کی ممانعت فرمادی تھی، عربی زبان کے اسلوب میں "لــو" امتناع کیلئے آتا ہے۔ سو معنی یہ ہوا کہ آپ نے یہ مدافعت ہرگز اختیار نہیں کی تھی۔

پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس بت پرست معاشرے میں "حنیفی" یعنی یکسو ہو کر خدائے واحد کی عبادت کرنے والے بعثت نبوی سے پہلے بھی موجود تھے یہ حضرات بنات اللہ کی عبادت و پرستش سے بیزار تھے۔ لہٰذا نقطۂ نظر میں توسیع کی توجیہ تو اس وقت درست ہو سکتی ہے جب آپ ﷺ کی پہلی دعوت (معاذ اللہ) شرک کی ہو، یہاں تو دوسری وحی کی آیات ہی ہر قسم کی مداہنت کی ممانعت پر مشتمل ہیں پھر کیسے ممکن ہے کہ ۲۳ ویں یا ۲۸ ویں وحی میں کہیں جا کر توحید خالص کی دعوت آئی ہو اور مشترک عبادت کی ممانعت وارد ہو۔

۳۔ وقتی جذبۂ مفاہمت:

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ غرانیق دراصل اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ محمد ﷺ کفار کے ساتھ وقتی مفاہمت اختیار کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ پھر یہی جذبہ آیاتِ غرانیق کی صورت میں زبان پر جاری ہو گیا۔ کیرن لکھتی ہیں:

> The Quran also refers to a moment when, it seems, Muhammad had tried to reach out to the Quraysh to still their fears and in the hope of re-establisshing friendly relations(۲۱).

پھر کیرن نے سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیات بطور دلیل ذکر کی ہیں:

"وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا(۲۲)

"اے نبی (ﷺ) ان لوگوں نے پوری کوشش کی ہے کہ وہ آپ کو اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے تا کہ پھر آپ ہمارے نام پر اپنی طرف سے کچھ بنا لائیں اور پھر تو وہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم آپ کو مضبوط نہ رکھتے تو آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے"۔

کیا رسول اکرم ﷺ نے ان کے عقیدۂ بنات اللہ پر کسی سمجھوتہ کیلئے ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ قرآن کریم کی ان آیات سے اس کا ثبوت بہت مشکل ہے۔ آیات میں موجود واضح اشارے اس کی تردید کرتے ہیں۔

اول تو رکون کا مطلب ہی خفیف جھکاؤ ہوتا ہے پھر "شیئـا قلیلا" اس کی کیفیت کو بالکل ہی ہلکا کر

دیتا ہے۔ پھر اس پر مستزاد اسم "کاد" ہے جو اس رکون کے نہ ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اس لئے کہ "کاد" کا معنی قریب ہونا ہوتا ہے اس میں اس فعل کا وقوع نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ ابن عطیہ کہتے ہیں:

"ورسول الله لم یرکن، لکنه کاد بحسب همه بموافقتهم طمعامنه فی استئلافهم"(۲۳)

یعنی رسول اللہ ﷺ کفار کی طرف جھکے نہیں تھے بلکہ جھکنے کے قریب تھے۔ اس لئے کہ آپ کا جھکنے کا ارادہ "ھم" کے درجہ میں تھا وہ بھی اس لئے کہ آپ، ان کو دین اسلام کے قریب کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ اب یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی آپ ﷺ نے کوشش کی تھی۔ اگر اس آیت کی تفسیر میں مذکور طبری کے بیان کردہ اقوال پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوستی کا ہاتھ کفار ہی نے بڑھایا تھا۔ طبری نے ایک واقعہ تو یہ بتلایا ہے کہ ایک مرتبہ رسالت مآب ﷺ حجر اسود کا بوسہ لینے کیلئے آگے بڑھے تو قریش نے روکا اور کہا کہ جب تک آپ ہمارے معبودوں کا عمدہ تذکرہ نہیں کریں گے یا ان کو چھو نہیں لیں گے ہم آپ کو بوسہ نہیں لینے دیں گے۔ رسول کریم ﷺ نے بھی ان کے اس ارادے کے متعلق سوچا ہی تھا کہ آیت مذکورہ نازل ہوگئی۔

دوسرے واقعہ میں ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ پوری رات آپ کو اپنے پاس بٹھائے رکھا اور آپ سے مطالبہ کرتے رہے کہ آپ ہمارے آقا ہیں اور ہمارے آقا کے صاحبزادے ہیں گویا خوشامد کے ذریعے آپ سے اپنے معبودوں کے بارے میں کوئی نرم بات کہلوانا چاہتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے کسی نرم بات کہنے کی ممانعت کردی گئی۔

تیسرے واقعہ میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں اسلام قبول کرنے کے بارے میں مہلت دینے کی خواہش رکھتے تھے کہ اس آیت کے ذریعے اس کی بھی ممانعت کردی گئی۔

ایک واقعہ میں اس چیز کا تذکرہ ہے کہ قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے عرض کیا تھا کہ ایک سال کی مہلت ہمیں دے دیجئے۔ ہمارے معبود کو ملنے والے تحفے تحائف جب ہم وصول کرلیں گے تو پھر اسلام قبول کرلیں گے، آیت کے ذریعے ممانعت کردی گئی۔(۲۴)

ان تمام واقعات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دوستی کا ہاتھ انہوں نے بڑھایا تھا پھر ان کے ارادوں، مطالبات اور خواہشات کے مقابلے میں اگر آپ کے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا بھی ہوا تھا تو وحی نے اس کو یکسر مسترد کردیا اور آپ کا قلبی ارادہ بھی ختم ہوگیا اور آپ نے اس ارادے کا کبھی اظہار بھی نہ فرمایا تھا پھر یہ کہنا کیسے

صحیح ہوسکتا ہے کہ دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ہاتھ بڑھانے کی کوشش اوراس کے محض خفیف ارادہ میں بہت بڑا فرق ہے۔

واقعہ کے دیگر تین بڑے محرک:

۴۔نقطہ نظر میں توسیع ۵۔مادی فوائد کے حصول کا ذریعہ ۶۔مقصد (توحید خالص) کی تکمیل کا ذریعہ

منٹگمری واٹ نے واقعہ غرانیق کی یہ تین مندرجہ بالا توجیہات کی ہیں۔وہ لکھتا ہے:

''محمدﷺ نے سرداران قریش کے مقابلہ میں اس قدر کامیابی یقیناً حاصل کر لی تھی کہ وہ آپ کی بات پر فکر مند ہوگئے تھے چنانچہ ان کی طرف سے اس بات کی کوشش ہوئی کہ آپ کسی بھی صورت میں پڑوسی عبادت خانوں میں پوجا کو رہنے دیں۔آپﷺ مادی فائدوں کی وجہ سے شروع میں تو اس بات پر آمادہ تھے آپﷺ کا یہ خیال بھی تھا کہ یہ طرزِ عمل مقصد کی تکمیل میں آسانیاں فراہم کر دے گا مگر اللہ کی طرف سے نصیحت اور تنبیہ ہونے کے بعد آپﷺ کو دھیرے دھیرے یہ احساس ہوگیا کہ مذکورہ بالا طریقہ پر باہمی مفاہمت تباہ کن ہوگی چنانچہ انہوں نے اصل حقیقت کو قائم رکھنے کیلیے وسائل کو بہتر بنانے کا منصوبہ تیار کیا اور تب شرک سے دست برداری کا ایسے سخت لفظوں میں اعلان کیا کہ مفاہمت اور سمجھوتے کے تمام راستے بند ہوگئے''۔(۲۵)

گویا واٹ کا خیال بھی یہی ہے کہ داعی اسلام مادی فوائد کی خاطر ابتداء ان بتوں کی ان کے مخصوص عبادت خانوں میں پرستش پر راضی ہوگئے تھے نیز یہ کہ آپ کا یہ خیال تھا کہ شاید اس طرح انہیں رفتہ رفتہ توحید خالص پر آمادہ کرنا آسان ہوجائے گا۔حقیقت یہ ہے کہ جہاں کیرن نے سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا آیت سے اس بارے میں استدلال کیا ہے تو واٹ نے طبری کی اس روایت پر اپنے نقطۂ نظر کی بنیاد رکھی ہے کہ رسول اللہﷺ قریش کے ساتھ پریشان کن تنازعے کا حل تلاش کرنے کیلیے غور وفکر کر رہے تھے آپ اس مسئلہ کا ایک ایسا حقیقی حل تلاش کرنا چاہتے تھے جس کے ذریعہ قریش آپ کی وحدانیت کے پیغام کو تسلیم کرلیں۔چنانچہ آپ اسی فکر میں تھے کہ یہ قصۂ غرانیق پیش آگیا۔(۲۶)

پھر واٹ لکھتا ہے کہ محمدﷺ اور ان کے مکی معاصرین کے لیے لازم تھا کہ وہ لات، عزیٰ اور مناۃ کا تذکرہ قرآن میں کریں۔شیطانی آیات ہمیں یہی بتاتی ہیں۔مذکورہ عبادت خانوں کا تذکرہ اس بات کی دلیل

ہے کہ محمد ﷺ کا نقطہ نظر اب وسیع ہو رہا تھا۔ (۲۷)

کبھی تو واٹ ''شیطانی آیات'' کو نقطۂ نظر کی توسیع بتلاتا ہے کبھی وہ انہیں مادی فوائد سے منتھی کرتا ہے اور کبھی انہیں توحیدِ خالص تک دھیرے دھیرے لے جانے کی کوشش قرار دیتا ہے۔

البتہ نقطہ نظر کی توسیع والی بات کو کیرن نے استفہامیہ انداز میں بیان کیا ہے وہ لکھتی ہیں:

''اگر یہ سچ ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) کی استعداد اور شعور میں وسعت پیدا ہو رہی تھی تو آپ عربوں کے لیے مشترک نقطۂ نظر تلاش کرنے کی ضرورت سے بھی زیادہ آگاہ ہو گئے ہوں گے خدا کی وحدانیت کا تصور قبائلی نظام کیلئے ناموافق تھا کیونکہ اس نظریے کا تقاضا یہ تھا کہ سب لوگ واحد برادری میں متحد ہو جائیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ ﷺ عرب اتحاد کو اہم نصب العین سمجھنے لگے۔ لیکن ۶۱۶ء میں جب قریش کے ساتھ شدید بگاڑ پیدا ہوا تو آپ کو فطرت کو بوقلمونیوں کے پس منظر میں حقیقت مطلق کو تلاش کرنے کی مذہبی ضرورت کا زیادہ احساس ہو گیا۔ (۲۸)

کیرن نے آپ کے طرزِ عمل کو محض دوستی کا ہاتھ بڑھانا کی کوشش قرار دیا تھا۔ چنانچہ واٹ اور کیرن کے موقف میں صرف اتنا فرق ہے کہ واٹ داعی اسلام کے اس طرزِ عمل کو مادی فوائد کا حصول قرار دیتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بھی قرار دیتا ہے جب کہ کیرن اس طرزِ عمل کو مادی فوائد کے ساتھ منتھی کرنے کی مخالفت کرتی ہیں چنانچہ انہوں نے واضح الفاظ میں اس کی وضاحت کی ہے کہ آپ کا طرزِ عمل کسی مادی فائدہ کی وجہ سے نہیں تھا۔ (۲۹)

یہاں اس امر کا واضح کر دینا ضروری ہے کہ ایک طرف قرآن نے یہ واضح کر دیا ہے کہ آپ ان کی طرف جھکے نہیں تھے تو دوسری طرف تاریخ طبری کی مذکورہ بالا روایت میں صرف اس قدر تذکرہ ہے کہ داعی اسلام کسی ایسی وحی کی خواہش رکھتے تھے کیا آپ نے کبھی کسی ایسی خواہش کا اظہار کیا یا اس نام نہاد واقعۂ غرانیق کے علاوہ مستشرقین کے پاس کوئی ایسی دلیل یا قرینہ موجود ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ ان کی اس بت پرستی پر آمادہ تھے۔ ہرگز نہیں پھر اس پر مستزاد یہ کہ طبری کی یہ روایت اس کی تفسیر میں ہوتی تو شاید کسی درجہ میں قابل اعتناء ہوتی یہ تو اس کی تاریخ میں درج ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کیرن نے وضاحت کر دی ہے کہ طبری جیسا مؤرخ و مفسر صحیح و سقیم روایات قاری کے سامنے پیش کر دیتا ہے (۳۰) اور فیصلہ اس پر چھوڑ دیتا ہے نیز یہی وجہ ہے

کہ اس نے اصل استدلال قرآن کی آیت سے کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ داعی اسلام نے ابتداء ہی سے ان بتوں کی عبادت کو پرزور طریقے سے رد کردیا تھا۔ واٹ کے پاس محمد ﷺ کے نقطہ نظر میں ارتقائی مدارج کی موجودگی کی اور تاریخ سازی کی کوئی دلیل نہیں ہے نیز اس کے اپنے بیانات میں واضح تضاد ہے۔

مستشرقین کے نزدیک واقعۂ غرانیق کی وہ توجیہ جو ان کے بقول کردار نبوی کو داغدار نہیں کرتی یہ وہ نکتہ ہے جو معاصر معتدل مستشرقین کو اپنے پیش رو متعصب مستشرقین سے جدا کرتا ہے۔

کیرن، میکسم اور واٹ کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ اس واقعہ کی ایسی تشریح بھی ممکن ہے جس سے اہانت رسول کا پہلو نہیں نکلتا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ آسمان اور زمین میں اونچا اڑنے والے یہ ''کونج'' نامی پرندے بھی آنحضرت ﷺ کے نزدیک جن و ملائکہ کی طرح خدا اور بندے کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہوں اور آپ ﷺ بنات اللہ کے سفارشی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں۔ (۳۱)

واٹ نے لکھا ہے کہ:

''چونکہ مسلمان تدریجی ارتقاء کے مغربی نظریہ سے واقف نہیں ہیں اس لیے ان کی رائے یہ تھی کہ محمد ﷺ اسلامی عقیدہ کے پورے مفہوم سے ابتداء ہی سے باخبر تھے، ان کے لیے یہ بات قابل قبول نہیں تھی کہ محمد ﷺ نے شیطانی فقروں کو (ابتداء میں) اسلامی عقیدہ کے خلاف نہیں سمجھا ورنہ واقعہ یہ ہے کہ محمد ﷺ کا عقیدہ توحید ان کے تعلیم یافتہ معاصرین کے عقیدۂ توحید کی طرح اصل میں غیر واضح تھا، انہیں اس وقت تک یہ خیال نہیں آیا تھا کہ خداوند کی ان مخلوقات کو تسلیم کر لینا توحید کے منافی ہوگا وہ لات وعزی اور منات کو اس وقت تک خداوند سے کمتر مگر آسمانی مخلوق سمجھتے تھے جس طرح یہودیت اور عیسائیت میں فرشتوں کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے، قرآن نے مکی دور کے آخر میں ان کا تذکرہ ''جن'' کہہ کر کیا ہے لیکن مدنی دور میں وہ ان کو بے حقیقت اور محض نام قرار دیتا ہے، اگر یہ سب کچھ ہوا تو پھر یہ ضروری نہیں رہ جاتا کہ ہم شیطانی فقروں کا کوئی دوسرا سبب دریافت کریں، کیونکہ یہ واقعہ توحید سے شعوری طور پر پسپائی کو ثابت نہیں کرتا، بلکہ اس کے ذریعہ ان نظریات کی ترجمانی ہوتی ہے جن کی طرف سے محمد ﷺ نے ہمیشہ مدافعت کی

ہے''۔ (۳۲)

مکی دور کے حوالے سے وہ سورۂ صافات کی آیت "وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَباً" (۳۳) سے استدلال کرتا ہے جب کہ مدنی دور کے حوالے سے وہ سورۂ والنجم کی آیت "إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا" (۳۴) سے استدلال کرتا ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ سورۂ صافات کو مکی دور کے اخیری حصے اور سورہ والنجم کو مدنی دور سے نتھی کیوں کرتا ہے۔ سورۂ والنجم کی یہ آیات مکہ مکرمہ میں ہی نازل ہوئی تھیں۔

یہاں پہلے یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ غرانیق، غرنوق کی جمع ہے اس کا معنی ہے پرندہ۔ ابن الاثیر نے اس کا معنی ''کرکی'' جانور بتلایا ہے۔ (۳۵)

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ کفار جب بتوں سے رب کریم کے ہاں سفارش کی دعا کرتے تھے تو ان بتوں کو ان اونچے اڑنے والے پرندوں سے تشبیہ دیتے تھے۔ (۳۶)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ شعر "تلك الغرانیق العلی۔ ان شفاعتهن لترتجی" مشرکین دوران طواف اونچی آواز میں پڑھتے تھے۔ حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں:

"وكانت قريش تطوف بالكعبة وتقول واللات والعزى ومناة الثالثة الأخرى فانهن الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى وكانوا يقولون بنات الله عزوجل وهن يشفعن اليه" (۳۷)

اس سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ داعی اسلام کو یہ معلوم تھا کہ وہ غرانیق سے اپنے بت مراد لیتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان بتوں کو فرشتوں کی طرح شفیع اور سفارشی سمجھتے ہوں۔ فرشتے، نوری مخلوق ہیں جو پردۂ غیب میں رہتے ہیں جب کہ بت بے جان مورتیاں ہیں، جنہیں حضرت انسان خود تراشتا ہے پھر جس معاشرے میں آپ مبعوث ہوتے ہیں، ان میں بت پرستی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ نیز وہ ان بتوں کو الٰہ مطلق بھی نہیں سمجھتے۔ ان کا عقیدہ ہی ان کے سفارشی ہونے کا ہے۔ اس ساری صورت حال میں یہ کیسے ممکن ہے کہ داعی توحید اس غلط فہمی میں ہوں کہ شاید یہ بت بھی، فرشتوں کی طرح شفیع وسفارشی ہوں۔

کیرن کے نزدیک مسلمانوں کے قصۂ غرانیق کو رد کرنے کی وجہ:

کیرن آرم سٹرانگ شاید سیرت النبی پر لکھنے والے مستشرقین میں سے واحد مستشرقہ ہیں جنہوں نے قصہ غرانیق کے استنادی پہلو سے تعرض کیا ہے۔ اگرچہ ان کی بات بھی ایک اعتبار سے محل نظر ہے، تاہم یہ امر

خوش آئند ہے کہ مسلمان، روایات کے صحت وضعف میں جس امر کو سب سے مقدم وملحوظ رکھتے ہیں، طائفہ مستشرقین میں سے کسی ایک فرد نے ہی سہی، اس امر کو قابل اعتناء تو سمجھا ہے۔

کیرن نے لکھا ہے کہ مسلمان صرف اس بنیاد پر اس قصے کو وضعی اور غیر مستند سمجھتے ہیں کہ نہ تو قرآن میں کسی ایسے قصے کی طرف اشارہ ہے نہ ہی سیرت کی ابتدائی کتاب ابن اسحاق میں اور نہ بخاری ومسلم کے مستند مجموعہ احادیث میں۔ مسلمان ان روایات کو اس لئے مسترد نہیں کرتے کہ ان میں تنقید کا پہلو نکلتا ہے بلکہ اس لئے کہ ان روایت کی کوئی مستند سند موجود نہیں۔ (۳۸)

کیرن کی یہ بات تو بالکل درست ہے کہ قصۂ غرانیق کی طرف کوئی اشارہ قرآن کریم میں موجود نہیں۔ مزید برآں سیرت وحدیث کی معتبر ترین کتب اس کے تذکرے سے خالی ہیں۔ البتہ یہ بات کہ مسلمان اسے صرف عدم دستیابی سندِ معتبرہ کی بنیاد پر ہی مسترد کرتے ہیں، غلط ہے اس لئے کہ قدیم وجدید مفسرین، محدثین، سیرت نگار اور مؤرخین اسے اس بنیاد پر بھی رد کرتے ہیں کہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبوت محمدی تسلط شیطانی سے محفوظ نہیں ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ اس روایت کے انکار کے عقلی دلائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وخامسها وهو اقوى الوجوه أنا لو جوزنا ذلك ارتفع الامان عن شرعه وجوزنا في كل واحد من الاحكام والشرائع ان يكون كذلك ويبطل قوله تعالى "يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله يعصمك من الناس فانه لا فرق في العقل بين النقصان عن الوحي وبين الزيادة فيه فبهذه الوجوه عرفنا على سبيل الاجمال ان هذه القصة موضوعة"(۳۹)

یعنی اس روایت کے مردود ہونے کے عقلی دلائل کے بیان میں پانچویں دلیل جو ان سب دلائل میں سب سے مضبوط ہے وہ یہ ہے کہ اگر ہم شیطان کے تسلط اور وحی میں ترمیم کے امکان کو تسلیم کرلیں تو پھر ہمارا اطمینان ساری شریعت سے اٹھ جائے گا اور ہم شریعت کے سارے احکام میں شیطان کے تسلط وترمیم کو جائز قرار دے سکیں گے اور پھر ایسی صورت میں اللہ کریم کا یہ ارشاد کہ "اے رسول جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پھر آپ نے پیغام نہیں پہنچایا! اور اللہ کریم ہی لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائیں گے" باطل ہو جائے گا (بصورت تسلیم اس آیت کے معنی کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے) اس لئے کہ عقلی اعتبار سے وحی میں کمی اور زیادتی

میں کوئی فرق نہیں ان مذکورہ دلائل کی بنیاد پر ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ یہ قصہ غرانیق من گھڑت ہے''۔

امام رازی علیہ الرحمۃ کی طویل عبارت کو جو اس واقعہ کے مردود ہونے کے نقلی اور عقلی دلائل پر مشتمل ہے، بعد میں آنے والے بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے۔

اسی طرح قاضی عیاض لکھتے ہیں:

باقی رہا عقلی اعتبار سے اس قصہ کا مردود ہونا تو نبی محترم کی عصمت پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور امت کا اجماع ہو چکا ہے نیز اس بات پر بھی اجماع ہے کہ آپ کی نبوت اس قسم کی رذیل باتوں سے پاک تھی۔ باقی یہ کہ آپ پر ایسی وحی نازل ہو جس میں رب کریم کے علاوہ معبودوں کی تعریف ہو یا یہ کہ شیطان آپ پر غلبہ پالے اور قرآن آپ پر اس طرح مشتبہ ہو جائے کہ آپ غیر قرآن کو قرآن سمجھنے لگیں اور پھر جبرئیل علیہ السلام کو متنبہ کرنے کی ضرورت پیش آئے کہ یہ قرآن نہیں ہے، یہ سب باتیں نبی محترم کے حق میں ناممکن ہیں نیز یہ کہ یا تو یہ صورت تھی کہ آپ نے جان بوجھ کر محض اپنی طرف سے یہ کلام وحی میں داخل کر دیا ہو ایسا کہنا ہی کفر ہے یا یہ کہنا کہ آپ کو غلطی لگی تھی تو نبی تو معصوم ہوتا ہے ہم نے مضبوط دلائل اور اجماع امت سے ثابت کر دکھایا ہے کہ آپ ﷺ اس بات سے پاک وصاف اور معصوم ہیں کہ آپ کی زبان پر عمداً یا سہواً کلمات کفر جاری ہوں یا فرشتہ کا کہا ہوا آپ پر مشتبہ ہو جائے یا شیطان کو آپ پر تسلط ہو جائے یا آپ اللہ پر جان بوجھ کر یا بھولے سے اپنی طرف سے باتیں بنالیں کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے کہ ''اگر آپ ہم پر بات بنائیں گے تو آپ کا دایاں ہاتھ پکڑیں گے اور آپ کی شہ رگ کاٹ دیں گے نیز یہ کہ دوسری آیت میں ہے ''ایسی صورت میں ہم آپ کو زندگی اور موت کا دوہرا عذاب چکھائیں گے''(۴۰)

اس طویل اقتباس سے واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے ہاں قصۂ غرانیق محض ضعیف سند کے باعث مخدوش اور موضوع نہیں بلکہ اس کا براہ راست تعلق عصمتِ نبوت کے مسئلہ سے ہے اور اس واقعہ کو تسلیم کر لینے کی صورت میں نبی کی عصمت بھی محفوظ نہیں رہتی اور یہ لازم آتا ہے کہ ان پر نازل ہونے والی وحی شیطانی ترامیم سے محفوظ نہ ہو سکتی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کل کا کل دین اور ساری کی ساری شریعت ہی محل مشکوک و شبہات بن جائے گی اور خالق ومخلوق کے درمیان ھدایت الٰہیہ کا واحد راستہ مشکوک ہو جائے گا۔

حاصل بحث:

۱۔ تحریک استشراق کا عہد بہ عہد مطالعہ واضح کرتا ہے کہ مستشرقین کے اہداف ومقاصد اگر چہ ہمیشہ ایک جیسے رہے ہیں (کہ اسلام، داعی اسلام، صحیفۂ اسلام اور تاریخ اسلام کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں) تاہم بے سروپا باتیں اور من گھڑت قصے جو سترھویں صدی تک استشراقی ادب کا حصہ رہے ہیں، رفتہ رفتہ تحریرات سے نکلتے چلے گئے ہیں، اگر چہ سلمان رشدی کی "Satanic verses" جیسی کتب ان واقعات کی صدائے بازگشت کے طور پر شاذ ونادر سنائی دیتی رہتی ہیں۔

۲۔ بیسویں صدی کے استشراقی ادب میں سیرت طیبہ کے متعلق سامنے آنے والا مواد بے سروپا قصوں سے پاک اور پیچیدہ استدلال سے مزین ہے۔

۳۔ غرانیق کا واقعہ، مستشرقین کا دلچسپ موضوع رہا ہے۔

۴۔ بیسویں صدی کے بعض مستشرقین اس قصہ کی توجیہ ''کفر کی جانب مراجعت کی خواہش'' کرتے ہیں جب کہ بعض اسے نبی مکرم ﷺ کے نقطۂ نظر میں تدریجی ارتقاء قرار دیتے ہیں۔ بعض اسے نقطۂ نظر کی توسیع قرار دیتے ہیں۔ واٹ اسے مادی فوائد کے حصول سے منتھی کرتا ہے وہ اسے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بھی قرار دیتا ہے۔ کیرن آرم سٹرانگ اس واقعہ کا کوئی خاص محرک متعین نہیں کرسکیں۔ میکم، واٹ اور کیرن کے نزدیک اس کا امکان ہے کہ محمد ﷺ لات، منات اور عزی کو فرشتوں اور جنات کی طرح بنات اللہ سمجھتے ہیں۔

۵۔ واقعہ کا محرک تلاش کرنے میں مستشرقین سے بے شمار غلطیاں ہوئی ہیں۔ ان کی تمام توجیہات کا مآخذ یا ضعیف روایات ہیں یا ظنی تاریخ سازی ہے۔

بنات اللہ کو رب کریم کے ساتھ معبود ٹھہرانے میں نبی مکرم سے غلطی کا ہونا ناممکن ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کا روز ازل سے مشرکین سے اختلاف ہی توحید خالص کی وجہ سے تھا۔

کیرن آرمسٹرانگ نے قصہ غرانیق کی استنادی حیثیت کے متعلق لکھا ہے کہ مسلمان اس قصے کو عدمِ دستیابی سندِ معتبرہ کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے، یہ درست ہے۔ البتہ ان کا یہ کہنا درست نہیں کہ رد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے بلکہ عصمت نبوت کے خلاف ہونے کے باعث رد کرنا بھی ایک اہم وجہ ہے۔

۶۔ قصہ غرانیق نقلی وعقلی اعتبار سے مردود ہے۔

حوالہ جات

(۱) Hitti, Philip K, Islam and the west, D.Van Norstand company, P:49

(۲) R.W.Southbern, Western views of Islam in the Middle Ages, Harward, 1962, P:31

(۳) IBID

(۴) IBID

(۵) Western views of Islam in the Middle Ages, PP56,57

(۶) Islam and the west, P:54

(۷) Thomas carlyle, on Heros, Hèro worship and the Heroic of the History, P,52

بحوالہ عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، (مرتب، آصف اکبر)، لاھور، بیت الحکمت، ۲۰۰۶ء، ص ۱۶۳

(۸) Hero worship and the Heroic of the History, P:62

بحوالہ عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص ۱۶۳

(۹) القرآن الکریم، النجم ۵۳: ۱۹۔۲۰

(۱۰) واقعہ کے متعلق روایات کثیر ہیں اور مختلف کتب تفسیر و حدیث میں پھیلی ہوئی ہیں طبری کی تفسیر میں اس کے متعدد طرق مذکور ہیں۔

طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان، بیروت، دار الھجر، الطبعۃ الاولی، جزء ۱۵، ص ۱۳۔۱۵

(۱۱) اس قصہ پر مشتمل روایات کی تقریباً دس مختلف سندیں ہیں بقول ابن حجر:

"ومعناهم كلهم فى ذلك واحدٌ وكلها سوى طريق سعيد بن جبير اما ضعيف والا منقطع لكن كثرة الطرق تدل على ان للقصة اصلاً مع ان لها طريقين آخرين مرسلين رجالهما على شرط الصحيحين" (ابن حجر، عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری، بیروت، دار الفکر، ۸/۴۳۹)

''اور اس قصہ کے متعلق روایات مفہوم کے اعتبار سے یکساں ہیں، نیز یہ کہ سعید بن جبیر والی سند کے علاوہ تمام سندیں یا تو ضعیف ہیں یا پھر منقطع ہیں لیکن سندوں کی کثرت بہر حال اس بات کا پتہ ضرور دیتی ہے کہ اس واقعہ

کی کوئی اصل اور بنیاد ضرور ہے۔ نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان ضعیف سندوں کے علاوہ دو سندیں اور ایسی ہیں جو اگرچہ مرسل ہیں تاہم ان کے راوی، بخاری و مسلم کے مقررہ معیار پر پورے اترتے ہیں''۔

یہ دو سندیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ **ابن جریر عن یونس عن ابی وھب عن یونس عن ابن شھاب عن ابی بکر بن عبد الرحمن بن الحارث**

۲۔ **ابن جریر عن معتمر بن سلیمان وحماد بن سلمة عن داؤد بن ابی ھند عن ابی العالیہ۔**

اور ابن عباسؓ والی سند جو ضعیف بھی نہیں اور منقطع بھی نہیں وہ یہ ہے:

امیة بن خالد عند شعبة عن سعید بن جبیر عن ابن عباس۔

لیکن اس مندرجہ بالا سند کے بارے میں محققین کا کہنا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ سعید بن جبیر تک ہے گویا مرسل ہے متصل نہیں ہے۔ جہاں تک درج بالا دو مرسل روایات کا تعلق ہے تو ابن حجر کو اس بات پر اصرار ہے کہ جو علماء مراسیل کو حجت تسلیم کرتے ہیں انکے ہاں ان دونوں روایات کے باعث قصہ اور روایت بہر حال سند کے اعتبار سے درست ہے اور جو علماء مراسیل کو حجت تسلیم نہیں کرتے وہ بھی کم از کم اس قدر کثرتِ طرق سے وارد ہونے والی روایت کے باعث قصہ کو بے بنیاد تو قرار نہیں دیں گے اس لئے کہ کثرت طرق، ضعیف روایت کو بھی حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ البتہ ابن حجر بھی اس حدیث کو اس کے ظاہری اور متبادر مفہوم میں قبول نہیں کرتے اسی لیے وہ اس کی مختلف تاویلات و توجیہات ذکر کرتے ہیں۔ (فتح الباری، ۸/ ۴۳۹)

دوسری طرف ابن خزیمہ، بیہقی، ابن العربی، قاضی عیاض، رازی، قرطبی اور علامہ شوکانی وغیرہ اس حدیث کو شد و مد سے رد کرتے ہیں۔ (قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، ریاض، دار عالم الکتب، ۱۴۲۳ھ، ۱۲/ ۸۱؛ رازی، فخر الدین محمد بن عمر، التفسیر الکبیر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۰ء، جزء ۲۳، ص ۴۵، قاضی عیاض بن موسیٰ، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۸ء، ۲/ ۱۳۵-۱۳۱؛ ابن العربی، محمد بن عبداللہ الاندلسی، احکام القرآن، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۳/ ۴۴۶؛ شوکانی، محمد بن علی، تفسیر فتح القدیر، بیروت، دار الفکر، ۳/ ۴۶۳؛ بیہقی، احمد بن الحسین، دلائل النبوۃ، بیروت دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۸، ۲/ ۲۸)

ان حضرات کے مؤقف کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث منقطع ہونے کے باعث ضعیف ہوتی ہے۔ اس کا ضعف ایسا نہیں ہے جو سندوں کی کثرت سے دور ہو سکے۔ نیز یہ کہ جب ایک مرسل روایت، مسلمہ عقیدۂ عصمتِ نبوت کے خلاف ہو تو بھلا اب اسے کیسے قبول کر لیا جائے۔ درایت کے مخالف ہونے کے باعث اب اس کا ضعف کثرۃ طرق سے بھی دور نہیں ہو سکتا اور یہی مؤقف درست معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ روایت کو تسلیم کر لینے کی صورت میں کی گئی توجیہات ساری کی ساری بہر حال کسی نہ کسی حوالے سے مخدوش ہیں۔ روایت کے رد ہو جانے کی صورت میں کسی توجیہ و تاویل کی ضرورت نہ رہے گی۔ (مثلاً دیکھئے الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ

(۱۳۵_۱۳۱/۲

(۱۲) H.A.R Gibbs, shorter encyclopedia of Islam, Brill, 1953, P:391

(۱۳) الفرقان ۳۲:۲۵

(۱۴) الاحقاف ۳۵:۴۶

(۱۵) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، قاہرہ، دار الشعب، ۱۴۰۷، باب بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، ۳/۱، ح ۳

(۱۶) E.von Grunebaum, classical Islam, Translated by Katherine watson, London, 1970, P:31

(۱۷) القرآن الکریم، العنکبوت، ۶۱:۲۹

(۱۸) القرآن الکریم، الزمر ۳:۳۹

(۱۹) سیوطی، جلال الدین، عبد الرحمٰن بن ابوبکر، الاتقان فی علوم القرآن، سعودیہ، مجمع الملک فهد، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۶۰/۱

(۲۰) القرآن الکریم، ن والقلم ۹:۶۸

(۲۱) Karen Armstrong, MUHAMMAD, A western Attemp to understand, Islam, London, 1991, P:110

(۲۲) القرآن الکریم، بنی اسرائیل، ۷۳:۱۷_۷۴

(۲۳) ابن عطیہ اندلسی، ابوبکر غالب بن عبد الرحمٰن، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ، ۴۷۵/۳

(۲۴) جامع البیان، جزء ۱۵، ص ۱۳_۱۵

(۲۵) Muhammad must have had sufficient success for the heads of Quraysh to take him seriously. Pressure was brought to bear on him to make some acknowledgement of the worship at the neighbouring shrines. He was at first inclined to do so, both in view of the material advantages such a course offered and because it looked as if it would speedily result in a successful end to his mission. Eventually, however, through Divine guidance as he believed, he saw that this would be a fatal

compromise, and he gave up the prospect of improving his outward circumstances in order to follow the truth as he saw it. The rejection of polytheism was formulated in vigorous terms and closed the door to future compromise.

Watt, Montgomery, Muhammad at Macca, Oxford, 1953, PP:108-109

(۲۶) طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والرسل والملوک، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۰۷ھ، ۱/۵۵۰۔۵۵۱

(۲۷) Muhammad at Macca, PP:103-104

(۲۸) Karen, Muhammad, P:117

(۲۹) IBID, P:113

(۳۰) IBID, P:113

(۳۱) Karen; Muhammad, PP:111-114

(۳۲) Muhammad at Macca, P:104

(۳۳) القرآن الکریم، الصافات ۳۷:۱۵۸

(۳۴) القرآن الکریم، النجم ۵۳:۲۳

(۳۵) ابن الاثیر، مبارک بن محمد، النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء، ص ۱۳۸۳

(۳۶) ابن الجوزی، ابوالفرج، عبدالرحمن بن علی، غریب الحدیث، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۰۵ھ، ۲/۱۵۵

(۳۷) حموی، یاقوت بن عبداللہ، معجم البلدان، بیروت، دارالفکر، ۴/۱۱۶

(۳۸) Karen; Muhammad, P:111

(۳۹) التفسیر الکبیر، جزء ۲۳، ص ۴۵

(۴۰) فامّا من جهة المعنى فقد قامت الحجة واجمعت الامة على عصمته ﷺ ونزاهته عن مثل هذه الرذيلة اما من تمنيه ان ينزل عليه مثل هذا من مدح آلهة غير الله وهو كفر او ان يتسوّر عليه الشيطان ويشبه عليه القرآن حتى يجعل فيه ما ليس منه ويعتقد النبى ﷺ ان من القرآن ما ليس منه حتى ينبهه جبرئيل عليه السلام وذلك كله ممتنع فى حقه ﷺ او يقول ذلك النبى ﷺ من

قبل نفسه عمداً وذلك كفر أو سهوا وهو معصوم من هذا كله وقد قررنا بالبراهين والاجماع عصمته ﷺ من جريان الكفر على قلبه أو لسانه لا عمداً ولا سهواً او أن يشتبه عليه ما يلقيه الملك مما يلقي الشيطان أو ان يكون للشيطان عليه سبيل أو أن يقول على الله لا عمداً ولا سهوا ما لم ينزل عليه وقد قال الله تعالى "ولو تقول علينا بعض الاقاويل" الآية، وقال تعالى "اذا لاذقناك ضعف الحياة وضعف الممات" الآية

قاضی عیاض بن موسیٰ المالکی، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۸ء، ۲/ ۱۲۷۔۱۲۶